"ایمان" کا "امن" سے تعلّق

محسن علی زین

تاریخ انسانی کے بغور مطالعے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح مبرھن ہو جاتی ہے کہ حضرت انسان نے آغاز ہی سے اپنی زندگی کو سنوارنے کے لئے جو سعی و جہد کی ہے' اس کا واحد ہدف امن و سکون کی تلاش تھا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ نے بظاہر انسان کو ایک نہایت کمزور اور بے بس سی مخلوق بنایا ہے' اس لئے کہ نہ اس میں پہاڑوں کا سا جلال و جمال ہے' نہ دریاؤں کی سی طغیانی' نہ ہاتھیوں سی ہیبت اور نہ چیتے کی سی تندی و تیزی ہے' مگر ان تمام صفات کے عوض انسان کو عقل و فہم عطا کیا گیا ہے۔ انسان اسی ذہن کے باعث آج بیک وقت سمندر کی اتھاہ گہرائیوں اور آسمان کی وسعتوں کو مسخر کیے ہوئے ہے۔ یہی ہزار ہا ایجادات ہیں جن کے بارے میں علامہ اقبال نے نصف صدی قبل کہا تھا :

عروجِ آدمِ خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تارہ مہِ کامل نہ بن جائے

اور ایک دوسرے شعر میں علامہ کہتے ہیں کہ ۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

تاہم اگر انسانی ذہن کی ان تمام کاوشوں کی غرض و غایت پر نظر مرکوز کی جائے تو پتہ چلتا ہے کہ ان سب کے ذریعے جو شے مطلوب و مقصود تھی' وہ راحت و چین ہے۔ اگر بنی آدم نے انفرادی زندگی کو ترک کر کے غاروں میں اجتماعی طور پر رہنا شروع کیا تو اس کا مقصد بھی موسمی مصائب سے امان حاصل کرنا تھا۔ اگر اس نے آگ جلانا اور ہتھیار بنانا سیکھا تو اس کا

© rasailojaraid.

سبب بھی جنگلی درندوں سے پناہ حاصل کرنا تھا۔ اگر اس نے پہیہ ایجاد کیا تو اس سے بھی مطلوب جسمانی مشقت سے بچنا اور راحت حاصل کرنا تھا۔

اب اگر آج کی دنیا کو اس نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم نے سب کچھ پانے کے بعد بھی کچھ نہیں پایا' یا یوں کہئے کہ اپنے گھر کو آسائشوں اور پر تعیش سامان سے بھرنے کے باوجود ہمارا خانۂ دل خالی ہے۔ اگر کوئی شے موجود ہے تو وہ ہے خوف' کھٹکا' حزن' ملال یا پھر گزرے ہوئے وقت کی کچھ خوشگوار یادیں' جن کے باعث زبان سے یہی صدا نکلتی ہے کہ ؎ یادِ ماضی عذاب ہے یارب"۔ معلوم ہوتا ہے کہ جس قدر مادی ترقی میں اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے (اور خیال کیا جارہا ہے کہ اس سے افراد کی زندگی میں راحت و آرام میں اضافہ ہوگا) اسی قدر دلوں میں بے یقینی' بے ثباتی اور بے آرامی کی کیفیت بڑھتی چلی جارہی ہے' نتیجتاً پورے معاشرے میں بدامنی کا دور دورہ ہے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہمارے اپنے ملک میں امن و امان کی کیفیت کا حال دگرگوں ہے۔

© rasailojaraid

قرآن کریم اور امن

مندرجہ بالا تمہید کو پسِ منظر میں رکھتے ہوئے یہ بات واضح ہے کہ راحت و چین کے معاملے میں دنیا ؎ "یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید" کی مصداق بنی ہوئی ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ہم نے راحت و چین کو مادی ترقی میں ڈھونڈنے کی کوشش کی ہے جبکہ تاریخ نے یہ ثابت کردیا ہے کہ نرے مادی عروج میں سکون نہیں ہے بلکہ ہلاکت و بربادی پوشیدہ ہے۔ اب آیئے بحیثیت مسلمان ہم قرآن کریم کی طرف رجوع کرتے ہیں کہ یہ منبعِ نور و ہدایت اس معاملے میں ہماری کیا رہنمائی کرتا ہے۔

یہ بات قرآن پاک کے سرسری سے مطالعے کے بعد واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ اس سرچشمۂ خیر نے راحت و امن کو کلی طور پر ایمان کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ عربی کے طالب علم جانتے ہیں کہ لفظ "ایمان" کی بنیاد یا مادہ (root) ہی لفظ "امن" ہے۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ ایمان کا امن سے انتہائی گہرا تعلق ہے۔ یہ تعلق کیسے ہے اور اس کا منطقی ربط کیا ہے' یہ ہم بعد میں دیکھیں گے' پہلے قرآن کریم سے چند حوالوں کے ذریعے کہی گئی

© rasailojaraid

بات کی مزید توثیق ہو جائے۔ اس سلسلے میں سب سے اہم اور حرف آخر کی حیثیت رکھنے والی آیت مندرجہ ذیل ہے۔

﴿ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝﴾

"جن لوگوں نے خدا کو مانا' اور اپنے ماننے کو ظلم سے (یعنی شرک سے) آلودہ نہیں کیا' تو ان ہی کے لئے امن ہے' اور وہی ٹھیک راستے پر ہوئے"۔
(الانعام : ۸۲)

یہی بات آیتِ استخلاف (النور : ۵۵) میں بھی ایک دوسرے پیرائے میں آئی ہے۔ چنانچہ ارشاد ربانی ہے:

﴿ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِى ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ﴾

"اللہ نے وعدہ فرمایا ہے تم میں سے ان لوگوں کے ساتھ جو ایمان لائیں اور نیک عمل کریں کہ وہ ان کو اسی طرح زمین میں خلیفہ بنائے گا جس طرح ان سے پہلے گزرے ہوئے لوگوں کو بنا چکا ہے۔ ان کے لئے ان کے اس دین کو مضبوط بنیادوں پر قائم کردے گا جسے اللہ تعالیٰ نے ان کے حق میں پسند کیا ہے اور ان کی خوف کی حالت کو امن سے بدل دے گا"۔

یعنی امن کے لئے یہاں ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بھی مشروط کیا گیا ہے۔ سورۂ انعام میں فرمایا گیا:

﴿ وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۚ فَاَىُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

"اور میں ان ہستیوں سے کیوں ڈروں جنہیں تم نے خدا کا شریک ٹھہرالیا ہے' جب کہ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ خدا کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہراؤ' جس کے لئے کوئی سند اس نے تم پر نہیں اتاری۔ بتلاؤ' ہم دونوں فریقوں میں سے کس

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

کی راہ امن کی راہ ہوئی اگر تم علم و بصیرت رکھتے ہو؟" (الانعام : ۸۱)

لفظ "امن" کا متضاد "فساد" ہے اور عربی مقولے "تُعْرَفُ الْاَشْیَاءُ بِاَضْدَادِھَا" کے حوالے سے دیکھیں تو قرآن پاک میں ایمان نہ لانے والوں کو "مفسد فی الارض" کہا گیا۔ جیسے ارشاد ربانی ہے کہ :

﴿اَلَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ زِدْنٰھُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا کَانُوْا یُفْسِدُوْنَ ○﴾

"جن لوگوں نے کفر کو اختیار کیا اور اللہ کے راستے سے روکا' ان پر ہم اس فساد کے باعث جو وہ کرتے تھے' عذاب پر عذاب نازل کریں گے"۔

(النحل : ۸۸)

ایسے ہی لوگوں کے ضمن میں سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا :

﴿وَیَسْعَوْنَ فِی الْاَرْضِ فَسَادًا﴾

"وہ زمین میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں"۔

اسی لئے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ ۔

نگہ الجھی ہوئی ہے رنگ و بو میں!
خرد کھوئی ہوئی ہے چار سو میں!
نہ چھوڑ اے دل فغانِ صبحگاہی
اماں شاید ملے اللہ ھو میں

اور اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ :

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی ' جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں

ایمان اور امن کا منطقی تعلق

درج کی گئی آیاتِ قرآنی کے تناظر سے یہ بات تو اظہر من الشمس ہے کہ "امن" ایمان میں مضمر ہے' تاہم ظاہری اعتبار سے ان میں ربط نظر نہیں آتا۔ شرعی اصطلاح

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ایمان نام ہے چند اعتقادات کا' چند نظریات پر یقین کا جس کا تمام تر تعلق دل سے ہے' جبکہ امن' بالخصوص معاشرتی امن (Social Peace) ایک سیاسی گتھی ہے اور اس کا تعلق آئین اور عالمی حکومتوں سے ہے۔ للذا اس ربط کو سمجھنے کے لئے پہلے چند معروضات سامنے رہنی چاہئیں۔

ایمان : (ایمانیاتِ ثلاثہ)

ائمہ دین نے حدیثِ نبوی کی روشنی میں ایمان کی تعریف مندرجہ ذیل کی ہے :

﴿ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلٰئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْقَدْرِ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ ﴾

"میں ایمان لایا اللہ پر' اس کے فرشتوں پر' اس کی کتابوں پر' اس کے رسولوں پر' یوم آخرت پر اور اس بات پر کہ ہر خیر و شر اس کی قدرت و علم سے ہے اور موت کے بعد زندہ کئے جانے پر"۔

ان الفاظ سے ایمان کی مفصل تعریف سامنے آتی ہے کہ سات چیزوں پر یقین رکھنا ایمان ہے۔ تاہم ان ساتوں نکات کو تین نکات کی صورت میں پرویا اور پیش کیا جا سکتا ہے۔ یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرت۔ انہی کو "ایمانیاتِ ثلاثہ" بھی کہا جاتا ہے۔

سچی بات تو یہ ہے کہ بنیادی ایمان تو اللہ پر ایمان کا نام ہے' یعنی اللہ کی وحدانیت اور قادر مطلق ہونے کو تسلیم کیا جائے تو یہی اصل بنیاد ہے اور باقی سب اس کی فروعات ہیں۔ تاہم خالق و مخلوق کے درمیان اس رابطے کو تسلیم کرنا کہ ہدایت الٰہی انسان ہی کی فوز و فلاح کے لئے اس کے پاس آتی رہی ہے کا نام "ایمان بالرسالت" ہے۔ یعنی اللہ تعالٰی نے بنی نوع انسان کو صراط مستقیم سے آگاہ کرنے کے لئے پہلے فرشتوں میں سے ایک رسول کو چنا اور اسی طرح حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تک ہر دور میں انسانوں میں سے ہی کوئی رسول منتخب کیا۔ چنانچہ سورۃ الحج میں فرمایا گیا :

﴿ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ بَصِیْرٌ ○ ﴾

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

"اللہ ملائکہ میں سے بھی پیغام رساں منتخب کرتا ہے اور انسانوں میں سے بھی' بے شک اللہ سمیع اور بصیر ہے"۔ (الحج : ۷۵)

اسی سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان بالملائکہ بھی درحقیقت ایمان بالرسالت کا جزو ہے۔

اسی طرح آسمانی کتب و صحیفوں پر بلا تفریق ایمان بھی ایمان بالرسالت کا لازمی حصہ ہے۔ اسی رسالت کے طفیل اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہدایت اور گمراہی' دونوں راستے دکھا دیئے ہیں (فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا)۔ اللہ نے انسان کو اختیار دیا ہے کہ چاہے تو سیدھے راستے پر چلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اَن گنت احسانات کا شکر ادا کرے اور چاہے تو اپنے نفس کی پیروی کرتے ہوئے صریح کفر کرے' جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ "اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا"۔ تاہم یہ ذہن میں رکھنا چاہئے کہ جو بھی اعمال اس دنیا میں صادر ہوتے ہیں ان کا حساب موت کے بعد ہر ایک کو بلا امتیاز دینا ہوگا' اس اٹل حقیقت کو ماننے کا نام ایمان بالآخرت ہے۔ یہ حساب روزِ آخرت میں ہوگا۔ اس دن نہ تو کوئی کسی کے کچھ کام آسکے گا اور نہ ہی کوئی فدیہ دے کر چھوٹ سکے گا۔ جیسا کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے کہ :

﴿وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ○﴾

"اور ڈرو اس دن سے (جو یقیناً آنے والا ہے) جس دن نہ تو کوئی جان دوسری جان کے کام آئے گی' نہ کسی طرح کا بدلہ قبول کیا جائے گا' نہ کسی کی سعی و سفارش چل سکے گی اور نہ ہی ایسا ہوگا کہ مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے"۔ (البقرہ : ۱۲۳)

اسی طرح یوم آخرت کے دن کامل اختیار اللہ کا ہوگا (وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ)۔

پورے دین اسلام کی عمارت درحقیقت انہی ایمانیاتِ ثلاثہ پر منحصر ہے۔

امن کی حقیقت

امن کے لغوی معنی راحت' سکون اور چین کے ہیں۔ اس کی ضد' فساد' فتنہ' اضطراب اور بے چینی ہے۔ اصل میں امن دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک کو ہم داخلی امن اور دوسرے کو خارجی امن کہہ سکتے ہیں۔ اب ان دونوں کی مختصر وضاحت کئے دیتا ہوں۔

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

(i) داخلی امن :

داخلی امن یعنی دل کا سکون ہی در حقیقت اصل امن ہے کیونکہ دل جسے زبانِ فلسفہ میں "مَن کی دنیا" کہا جاتا ہے اگر وہ راضی و مطمئن ہے تو فضا و ماحول کی ہر بے چینی و اضطراب اس کے سامنے ہیچ ہے۔ اس کے برعکس اگر ماحول بظاہر انتہائی پر سکون ہے' دنیا کی ہر نعمت میسر ہے اور معاشرے کی کیفیت "راوی چین ہی چین لکھتا ہے" کے مصداق ہے' تب بھی اگر "من کی دنیا" میں ہنگامہ برپا ہے تو گویا سب کچھ ہیچ ہے۔ جیسا کہ علامہ اقبال نے کہا ہے :

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یارب
کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

لہٰذا سکون تو تب ہی ہے جب بقول اقبال ؎ "دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو"۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث نبویؐ میں بھی اصل امارت کو دل ہی سے مشروط قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اَلْغِنٰی غِنَی النَّفْسِ" (اصل تونگری تو دل کی تونگری ہے)

تاہم یہ بات ذہن میں رہنی چاہئے کہ گو علمِ حیاتیات میں دل کی حیثیت انسانی مشینری کے ایک پرزے (Pumping organ) سے زیادہ نہیں ہے اور اسے ؎ "بوند اِک خون کی ہے تُو" کا مصداق ٹھہرایا جاتا ہے' بایں ہمہ حواس و محسوسات کا تمام تر نظام عقل کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے' تاہم دنیا بھر کی روحانی کتب اور علمِ فلسفہ میں آج بھی دل کو احساسات کا مرکز و محور ٹھہرایا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ داخلی امن کو دل کے امن کا متبادل کہا گیا ہے جبکہ اصل میں "داخلی امن" احساسات کا اضطراب اور بے چینی سے پاک ہونا ہے' اب احساسات کا سرچشمہ خواہ دل کو قرار دیا جائے خواہ دماغ کو' اس سے چنداں فرق نہیں پڑتا۔

(ii) خارجی امن :

خارجی امن یعنی معاشرتی سکون (Social Peace) امن کا وہ جزو ہے جو ہر ایک

© rasailojaraid.com

کو بیرونی طور پر محسوس بھی ہوتا ہے اور اسے تسلیم بھی کیا جاتا ہے۔ معاشرے کے ہر فرد کی جان و مال کا محفوظ ہونا اور ریاست میں اس قدر استحکام پیدا کرنا کہ کسی شخص کے دل میں بے یقینی کی کیفیت نہ ہو بیرونی امن کے زمرے میں شامل ہے۔ بلاشبہ حکمرانِ وقت اپنی مملکت میں صرف اسی امن کو قائم کرنے پر کسی درجہ قادر ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ریاستی پالیسی کا تمام تر زور اسی پر صرف ہوتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ اقوام متحدہ کا بنیادی چارٹر بھی اسی خارجہ عالمی امن کو قائم کرنے پر زور دیتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قیام سے لے کر آج تک اس کے تمام اقدامات اس "امن" کے لئے کوشاں رہے ہیں جو دنیا کے چند "بڑوں" کو مطلوب ہے۔

دنیا کا ہر انسان، خواہ وہ کسی قوم، نسل یا خطے سے تعلق رکھتا ہو، اپنی فطرت کے تحت کامل داخلی و خارجی امن چاہتا ہے۔

© rasailojaraid.com

دنیا میں فساد کیوں؟

اس موقعے پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہر شخص سکون و راحت کا طالب ہے تو پھر اس دنیا میں آخر فساد برپا ہی کیوں ہوتا ہے؟ کیا قتل و غارت کرنے والے، دوسروں کی عصمتوں سے کھیلنے والے، پرامن مملکتوں کو تاخت و تاراج کرنے والے اور چند ٹکوں کے عوض کسی کا سہاگ اور کسی کی کوکھ اجاڑنے والے انسان نہیں ہوتے؟ آخر کیا وجہ ہے کہ خود انسان ہی چین کا طالب ہوتا ہے اور خود انسان ہی دوسرے انسان کی جنت کو مسمار کرتا ہے؟

اس بات کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ انسان جو نہ صرف دین اسلام کے نزدیک افضل و اشرف ترین مخلوق ہے بلکہ ہر فلسفہ ہائے زندگی، حتیٰ کہ جدید سائنس کے نزدیک بھی بہترین ارتقاء یافتہ اور پیچیدہ ترین مخلوق ہے، کے تشخص کو پہچانا جائے۔ یہ ایک عجیب طرفہ معجون ہے۔ اس کی مثال ایک سہ منزلہ عمارت کی سی ہے۔ اس کی اولین منزل اس کا "مادی جسم" ہے۔ اس منزل پر غور و فکر اور تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان حیوانات میں شامل ہے۔ اس کی دوسری منزل اس کا "ذہن" ہے۔ یہ وہ منزل ہے جو اسے حیوانات میں

© rasailojaraid.com

ممتاز کرتی ہے۔ تیسری اور آخری منزل اس کی "روح" ہے۔ یہ وہ منزل ہے جو اسے حیوانات سے نہ صرف ممتاز کرتی ہے بلکہ ان سے ممیز بھی کرتی ہے۔ اس پوری عمارت کا "کنٹرول ٹاور" دوسری منزل یعنی ذہن انسانی ہے۔

اب یہ بات آسانی سے سمجھ میں آتی ہے کہ انسانی جسم چونکہ خاکی ہے اور اس کا تمام تر نظام عین حیوانی ہے یعنی ہر انسان اپنے اندر ایک کامل "حیوان" کے خصائص رکھتا ہے۔ خارجی اور داخلی دونوں طرح کے اضطراب اور بے چینی کی بنیاد انسان کا یہی وجود ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ زیادہ تر فسادات درحقیقت اس بات سے جنم لیتے ہیں کہ اس خاکی وجود کا تمام تر میلان و رغبت دنیا کی جانب ہوتا ہے۔ تاہم اس سے صادر ہونے والے افعال بھی ذہن کی اجازت کے بغیر روبہ عمل نہیں ہو سکتے، لہٰذا ثابت ہوا کہ امن کو سبوتاژ کرنے میں انسان کے حیوانی وجود کے ساتھ عقل بھی شامل ہے۔ بلکہ فساد کا ایک عنصر تو کاملتاً دماغ کی پیداوار ہے، جس کا ذکر آگے آ رہا ہے۔

اسکے برعکس انسان کی روح کا کامل میلان اللہ تعالیٰ کی جانب ہے اور اس کی وجہ بھی یہی ہے کہ وہ ہے بھی اسی عالم کی شے! اللہ تعالیٰ آدم اور روح کے تعلق کے بارے میں خود فرماتے ہیں کہ ﴿ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُّوحِي ﴾ یعنی "تو میں نے اس (آدمؑ) میں پھونکا اپنی روح میں سے"۔ یہ روح ہے جو انسان کی فطرت کو تشکیل دیتی ہے، اسے امن کے لئے سرگرداں کرتی ہے اور برائی پر کچوکے لگاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لفظ "انسان" کی ایک توجیہہ یہ بھی کی جاتی ہے کہ یہ درحقیقت لفظ "انس" یعنی محبت سے مثنیہ کا صیغہ ہے یعنی "اُنْسَانِ" کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور اس کے معنی ہیں "دو محبتیں" یعنی ایک اس دنیا کی اور ایک رب کائنات کی۔

اب اس پسِ منظر میں یہ دیکھتے ہیں کہ انسان کا حیوانی وجود جو طرح طرح کے حربوں اور طریقوں سے فساد مچاتا ہے اور سکونِ عالم کو تہ و بالا کرتا ہے، اس سے اس کا مطلوب و مقصود کیا ہوتا ہے۔ نیز انسانی تشخص کی روشنی میں یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ کیا جسم انسانی کا دنیا کی طرف میلان سرے سے غلط چیز ہے یا اس میں کوئی خیر کا پہلو بھی ہے۔

© rasailojaraid.com

عناصر فساد

سب سے پہلے تو یہ حقیقت از بر رہنی چاہئے کہ حُبِّ دنیا بذاتِ خود ایک کامل برائی نہیں بلکہ یہ ایک ناسور کی حیثیت اس وقت اختیار کرتی ہے جب حدِ اعتدال سے تجاوز کر جائے۔ انسان کے روحانی تشخص کو اجاگر رکھتے ہوئے دنیا سے محبت کرنا "حدِ اعتدال" ہے۔ اگر روح کو فراموش کر دیا جائے اور اس خاکی وجود ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے تو یہی چیز بناءِ فساد ہے' کیونکہ یہ حیوانی جسم اپنے اندر شر کے بہت سے پہلو چھپائے ہوئے ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فرشتوں نے انسان کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے کہا تھا:

﴿اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ﴾

"کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خونریزیاں کرے گا؟"

آج مغربی دنیا میں جہاں وسائل و ذرائع کی فراوانی ہونے کے باوجود طرح طرح کی عداوتوں نے بیرونی سکون کو غارت کر رکھا ہے وہاں روح کے انکار' انسان کو صرف ایک حیوان سمجھنے اور سیکولرزم جیسے نظریات نے دلوں میں اضطراب اور ہیجان برپا کیا ہوا ہے۔

اب آیئے ہم اس امر کے بارے میں دیکھتے ہیں کہ انسان کے خاکی وجود سے وہ کون سے سرچشمے پھوٹتے ہیں جو امن کش ہیں اور وہ کون سے عناصر و عوامل ہیں جو داخلی و خارجی ہر دو طرح کا امن برباد کرتے ہیں اور اس فساد کو پنپنے میں بھی مدد دیتے ہیں۔

ان عناصر کو ہم تین عنوانات سے بیان کر سکتے ہیں۔

(۱) انا پرستی

(۲) موت کا خوف

(۳) جبلی عجلت پسندی

دنیا کے کسی بھی گوشے یا خطے میں جو ہڑبونگ مچتی ہے یا دنیا کی کسی قوم کے کسی فرد کے دل میں جو اضطراب اور بے چینی پیدا ہوتی ہے اس کے پیچھے اصل میں یہی تین عناصر کارفرما ہوتے ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ ضمیر اور روح موجود ہی نہ ہوتے تو کسی بھی فرد کو امن و

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

سکون کی فکر [illegible] اگر روح بیدار ہو تو یہ عناصر جنم ہی نہیں لیتے۔

داخلی فساد

[illegible] عناصر انسان کی "من کی دنیا" پر کیا اثر ڈالتے ہیں' اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(۱) انا پرستی:

یہ عنصر خالصتاً انسانی ذہن کی پیداوار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قسم کی کوئی بھی شے جانوروں میں موجود نہیں ہے۔ اپنے ذہن کے باعث دنیا کا ہر شخص اپنے آپ کو "چیزے دیگرے" سمجھتا ہے اور دنیا کو تسخیر کر کے اپنے آپ کو سربلند کرنا چاہتا ہے۔ اس بات کو ایک مغربی مفکر نے ان الفاظ سے تعبیر کیا ہے کہ

"Every human has an urge to dominate"

لہٰذا ہر شخص صبح و شام اسی تگ و دو میں رہتا ہے کہ اپنی ذات اور اپنے نام کو سربلند کرے اور رکھے۔ دنیا کا ہمیشہ سے یہ دستور رہا ہے کہ معاشرے کا سوادِ اعظم تو ہمیشہ اس مقصد میں ناکام رہا ہے۔ لہٰذا یہ لازمی بات ہے کہ ایسے افراد اپنے دلوں میں ایک خلش سی محسوس کرتے ہوں گے اور ان کی "میں" کو ایک ٹھیس لگنے کے باعث دل میں ناکامی کا احساس جو بے چینی پیدا کرتا ہوگا اس کا مداوا دنیا کی بڑی سے بڑی شے مل جانے پر بھی نہیں ہوتا۔ وہ تو یہ چاہتا ہے کہ اس کی عظمت کے ترانے الاپے جائیں نہ کہ اسے دوسروں کے سامنے جھکنا پڑے اور ان کا حکم ماننا پڑے۔

[illegible] وہ لوگ جو بظاہر اس ضمن میں کامیاب ہو جاتے ہیں' سارے عالم میں ان کا طوطی بولنے لگتا ہے' لوگ ان کے احکامات پر کورنش بجا لاتے ہیں' یہ جہاں سے گزرتے [illegible] تعظیم خم کر دیتا ہے' تب بھی انہیں دل کا سکون میسر نہیں آتا۔ اور اس کی [illegible] انسان دوسرے انسانوں کے درمیان تو اپنی "کلغی" بلند کر لیتا ہے [illegible] سمجھ لیتا ہے' لیکن قدرتِ الٰہی' نے ایمان کی دولت سے [illegible]

[illegible]

© rasailojaraid.co
© rasailojaraid.co

زور درندوں پر نکیل ڈال بھی لے' سمندر کا سینہ چیرنا سیکھ بھی لے یا پوری دنیا کو اپنے قدموں تلے روند بھی لے' تب بھی ان کے علاوہ بہت سی اشیاء ایسی ہیں جن پر نہ آج تک قابو پایا گیا ہے اور نہ ہی کبھی پایا جائے گا۔ مثلاً ہر زمانے میں ایسی بہت سی بیماریاں رہی ہیں کہ جو لاعلاج رہی ہیں۔ آج بھی "ایڈز" سمیت کئی مہلک بیماریاں ایسی ہیں کہ جن سے نجات کا کوئی راستہ نہیں۔ یہی وہ جال ہے جہاں آ کر دنیا کو فتح کرنے والے انسانوں کی انانیت کا بت بھی پاش پاش ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی بڑائی میں ایسے حوادث سے زیر نہیں ہونا چاہتے مگر قدرت کو ہرا نہیں سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسے افراد اپنی "انا" کو اسی طرح ضرب لگتے دیکھ کر دلوں میں ایک عجیب بے چینی محسوس کرتے ہیں۔

یہاں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسان کی انا اگر ایمان کے بغیر ہو تو کس طرح انسان کا داخلی امن تباہ و برباد کر سکتی ہے۔

© rasailojaraid.com

(ii) موت کا خوف :

موت کا خوف انسانی زندگی میں سب سے زیادہ اضطراب انگیز شے ہے۔ ہر شخص جب اپنے اردگرد کسی عزیز اور رشتہ دار کی موت' بالخصوص کوئی حادثاتی موت دیکھتا ہے تو ہنگامۂ زندگی کے شکنجہ سے چند لمحات کے لئے خود بخود باہر نکل آتا ہے اور ایک بے چینی کی سی کیفیت ذہن میں طرح طرح کے سوالات پیدا کرتی ہے۔ خصوصاً جو شے سب سے زیادہ کھٹکتی ہے وہ یہ ہے کہ جو جان' جو مال' جو صلاحیت' جو ذہنی جوہر کا بہترین حصہ کھپایا جا رہا ہے اور جو عمارات و قصرات تعمیر کئے جا رہے ہیں' کیا ساری زندگی کی یہ محنت یکسر ضائع ہو جائے گی؟ ظاہر ہے کہ "عالم دوبارہ نیست" پر عمل کرنے والے اسی سوچ میں پریشان رہیں گے کہ اچانک موت آ کر ان کے سب کئے دھرے پر پانی پھیر دے گی اور یہ بات انتہائی پریشان کن ہے!

اس پریشانی سے بچنے کے لئے مغربی دنیا میں آج بھی اس فکر کو پھیلایا جاتا ہے کہ موت کا ذکر ایک منفی شے ہے لٰہذا روزمرہ زندگی میں نہ تو اس کا ذکر کیا جائے اور نہ ہی ذہن کو اس طرف منتقل ہونے دیا جائے۔ مگر فطری بات ہے کہ ذہن اور افکار کب کسی پابندی کے تابع

© rasailojaraid.com

ہوتے ہیں؟ یہی وجہ ہے کہ گاہے بگاہے موت کا خوف انسانی افکار پر چھا جاتا ہے۔ بقول اقبال

ڈھونڈ رہا ہے فرنگ عیشِ جہاں کا دوام
وائے تمنائے خام! وائے تمنائے خام!

یہاں سے پتا چلتا ہے کہ ؏ "موت کو سمجھے ہیں غافل اختتامِ زندگی" کے زمرے میں آنے والے افراد موت کے خوف کی وجہ سے کبھی داخلی سکون نہیں پا سکتے۔

یہاں یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہنی چاہئے کہ انانیت کو ٹھیس پہنچانے میں بھی جن بے بسیوں اور انسان کی حدود (Limits) کا ذکر کیا گیا ہے ان میں موت سب سے ارفع ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں اور شہنشاہوں پر بھی اس عالمِ نزع کی بے بسی کے تصور سے کپکپی طاری ہو جاتی ہے۔ اسی بات کو سورۃ قیامہ میں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ :

﴿ كَلَّآ اِذَا بَلَغَتِ التَّرَاقِيَ ۝ وَقِيْلَ مَنْ رَاقٍ ۝ وَظَنَّ اَنَّهُ الْفِرَاقُ ۝﴾

"ہرگز نہیں! جب جان حلق تک پہنچ گئی اور کہا گیا کہ ہے کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا؟ اور آدمی سمجھ لے گا کہ یہ دنیا سے جدائی کا وقت ہے"۔

یعنی ورثاء تو اس بے بسی کے عالم میں' جب کہ سب ڈاکٹر اور حکیم بھی جواب دے چکے ہوں' تو کوئی جھاڑ پھونک کرنے والا تلاش کرتے ہیں جبکہ وہ شخص جس پر نزع کا عالم طاری ہو اچھی طرح جان لیتا ہے کہ اب کوئی شے مجھے دنیا میں واپس لے جانے والی نہیں ہے' اب فراق کا وقت آ چکا ہے' اس بے بسی کے عالم کو سورۃ واقعہ میں اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ :

﴿ فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝﴾

"تو جب مرنے والے کی جان حلق تک پہنچ چکی ہوتی ہے' اور تم آنکھوں دیکھ رہے ہوتے ہو کہ وہ مر رہا ہے' اس وقت اس کی نکلتی ہوئی جان کو واپس کیوں نہیں لے آتے"۔

انسان نہ صرف اس بے بسی کے تصور سے کانپ اٹھتا ہے بلکہ یہ بھی جانتا ہے کہ بعد میں وہی جسم جس پر کبھی مکھی بھی نہ بیٹھنے دی گئی تھی' موت کے بعد کس حال سے دوچار ہو

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

گا۔ اس بات کو میر تقی میر نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ

کل پاؤں ایک کاسۂ سر پر جو پڑ گیا
یکسر وہ استخوان شکستوں سے چور تھا
کہنے لگا کہ دیکھ کے چل راہ بے خبر
میں بھی کبھو کسی کا سرِ پُرغرور تھا

(iii) جبلی عجلت پسندی :

انسان کے اندرونی سکون کو تباہ کرنے والا آخری عنصر (Last but not the least) جبلی عجلت پسندی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو فطری طور پر کمزور اور جلد باز بنایا ہے۔ چنانچہ سورۂ بنی اسرائیل میں آتا ہے کہ : "وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا" یعنی "اور انسان تو ہے ہی جلد باز"۔

ایک دوسرے مقام پر آتا ہے کہ : "كَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ" یعنی "ہرگز نہیں! بلکہ تم محبت کرتے ہو عاجلہ سے" (القیامہ)۔ اور اسی طرح فرمایا کہ : "اِنَّ الْاِنْسَانَ خُلِقَ هَلُوْعًا" (المعارج) "بے شک انسان پیدا ہی تھڑدلا (کمزور) کیا گیا ہے"۔

عجلت اور جلد بازی کا مادہ انسان کی سرشت میں رکھا گیا ہے۔ یہی جذبہ اکثر اوقات انسان سے بے پناہ غلط کام کرواتا ہے۔ تاہم بعد ازاں وہ اپنے کئے پر پشیمان ہوتا ہے' اور یہ خفت اس کے دل میں کانٹا بن کر چبھتی رہتی ہے' جس کے باعث دل بے سکونی کا شکار رہتا ہے۔ یہی وہ نکتہ ہے کہ جہاں انسان یہ محسوس کرتا ہے کہ کاش کچھ واضح احکامات ہوتے' کاش کوئی ایسا ہوتا جس کی پیروی کر کے میں درست سمت میں اپنا سفرِ حیات جاری رکھ سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ قریباً ہر انسان کسی دوسرے انسان کو اپنا مربی اور استاد مانتا ہے اور لغزشوں سے بچنے کے لئے اپنے آئیڈیل ہی کی پیروی کرتا ہے۔ مگر اس کی بدقسمتی یہ ہے کہ وہ آئیڈیل بھی ایک انسان ہوتا ہے اور خطاؤں سے مبرا نہیں ہوتا۔ اس انسان کے عقائد بھی اس کے خود ساختہ ہوتے ہیں' جن میں گمراہی کا امکان بدرجۂ اتم موجود ہوتا ہے۔ لہٰذا

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

انسان قلبی اضطراب کا شکار رہتا ہے اور مسلسل کسی کامل (perfect) ہدایت کا طالب رہتا ہے۔ اگر ہدایت موجود نہ ہو تو لاکھ کوششوں کے باوجود عجلت کے باعث بے پناہ ٹھوکریں کھاتا ہے۔

خارجی سکون

خارجی یا معاشرتی امن کو تاراج کرنے والے عناصر بھی وہی تین ہیں جو اوپر مذکور ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ عناصر کس طرح معاشرے پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

(i) انا پرستی :

گو یہ بات تو واضح ہو چکی کہ دنیا کا کوئی بھی شخص اپنی انا کو کامل تسکین مہیا نہیں کر سکتا' تاہم اس کے حصول کے لئے ہر شخص کوشاں تو رہتا ہے۔ اس جدوجہد میں اصول صرف ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جو بھی میری یا میرے قبیلے کی سربلندی میں حائل یا مزاحم ہو اسے کچل دیا جائے! اس اصول کو دیکھتے ہوئے یہ بات انتہائی عام فہم ہے کہ انا پرستی معاشرے میں کیا کیا گل نہیں کھلاتی ہوگی۔ سچی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں ہونے والے تمام فسادات میں ساٹھ فیصد سے بھی زائد واقعات اسی انانیت کی پیداوار ہوتے ہیں۔ قیصر و کسریٰ کی خون آشام لڑائیاں ہوں یا دور جدید کی جنگ عظیم' وجہ صرف اور صرف ایک تھی کہ ہر ایک جہانبانی کے شوق میں پوری دنیا کو اپنا زیر نگیں کرنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ ہر طرف اسی کے حکم کی فرمانروائی ہو اور وہ جس کو چاہے شاہی خلعت عطا کرے اور جس کا چاہے جینا دوبھر کر دے۔ اس میں کامیابی تو سکندرِ اعظم کو ہوئی نہ چنگیز خاں کو لیکن ان کی کوششوں کا یہ نتیجہ ضرور بر آمد ہوا کہ جہاں جہاں سے ان کا گزر ہوا خوں کی ندیاں بہا دی گئیں' کھوپڑیوں کے مینار تعمیر کر دیئے گئے اور جو زندہ بچ بھی نکلے' ان کا عالم یہ تھا کہ انتظار میں تھے کہ کب موت ان کے دروازے پر دستک دیتی ہے۔

یہی انانیت ہے جو ابتداءً صرف اپنی پگڑی کو اونچا رکھنے کے لئے فسادات برپا کرتی ہے مگر بعد میں جب راستے میں کچھ ناکامیاں انسان کے لئے حسرتوں اور مایوسیوں (frustrations) کا پیام لاتی ہیں تو بسا اوقات انسان نہ صرف حیوان بلکہ اس سے بھی

© rasailojaraid

پست تر موذی کا کردار اختیار کرلیتا ہے اور پھر بے مقصد قتل و غارت میں بھی لذت محسوس کرتا ہے۔

(ii) **جبلی عجلت پسندی :**

معاشرے میں فساد پھیلانے والا دوسرا اہم عنصر جبلی عجلت پسندی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ جلد بازی کی وجہ سے انسان سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوتی ہیں گو وہ ان پر پچھتاتا ہے۔ بہرحال اس سے صادر ہونے والے افعال معاشرے میں تو ابتری کا باعث بن ہی چکے ہوتے ہیں۔ حوالات اور جیلوں میں اکثر افراد اسی زمرے سے تعلق رکھتے ہیں کہ سینکڑوں قتل کر کے اب پشیمان ہوتے ہیں اور ان ڈکیتیوں اور قتل کے واقعات کو اپنی جلد بازی کا شاخسانہ قرار دیتے ہیں۔ لیکن "اب پچھتائے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت" کے مصداق غارت گری کے یہ واقعات معاشرے کے اندر ایک مجموعی بے یقینی کی کیفیت پیدا کر دیتے ہیں۔ ایسے واقعات کی بھی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ ہر انسان اپنے تئیں اپنے آپ کو مادر پدر آزاد سمجھتا ہے اور زندگی کے لئے کوئی ضابطہ یا قانون تسلیم نہیں کرتا۔ جہاں تک ملکی ضوابط و قوانین کا تعلق ہے تو وہ بھی انسان ہی کے تیار کردہ ہوتے ہیں اور بشری کمزوریوں کے باعث انتہائی احتیاط و خلوص کے باوجود ان میں کوتاہیاں اور خامیاں رہ جاتی ہیں۔

(iii) **موت کا خوف :**

موت کا خوف بذاتِ خود تو معاشرتی فساد نہیں پھیلاتا تاہم جب کوئی جابر و سرکش حکمران یا حکمرانوں کا ٹولہ مسندِ اقتدار پر قبضہ کرلیتا ہے تو معاشرے کے ہر فرد کے اندر موجود زندگی سے پیار اور موت کا خوف اسے سرکش حکمران کے سامنے سر اٹھانے سے باز رکھتا ہے اور وہ ہر جابر و قاہر بادشاہ کو اس وقت تک تسلیم کرتا ہے جب تک اس کی اپنی زندگی محفوظ ہو۔ جب اپنی جان کو خطرہ محسوس ہو تب وہ مدافعت کے لئے اٹھتا ہے مگر جب معاشرہ ساتھ نہ دے تو وہ اکیلا کر بھی کیا سکتا ہے؟

یہ امر واقعہ ہے کہ جو لوگ موت کو زندگی کا اختتام سمجھتے ہوں اور "بابر بہ عیش کوش

© rasailojaraid.com

کہ عالم دوبارہ نیست" پر عمل پیرا ہوں' انہیں اگر غلامی کی زندگی بھی بسر کرنی پڑے تو یہ جاننے کے باوجود کہ "تو جھکا جب غیر کے آگے نہ تن تیرا نہ من" وہ اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اپنی آزادی کی جنگ نہیں لڑ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ غلامی کی زندگی بھی بسر کرنے پر رضامند ہو جاتے ہیں اور اس طرح ظلم اور جبر کو پروان چڑھنے میں بالواسطہ امداد کرتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں جو چڑھتے سورج کی پوجا کرتے ہیں اور ابن الوقت بن کر اپنی زندگی کو سنوارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس صورت حال میں ایک استثناء اس وقت پیدا ہوتا ہے جب معاشرے کا سوادِ اعظم اپنی قوم یا نسل سے محبت و الفت کے جذبات (Patriotism) میں اس قدر زور آور ہو جاتا ہے کہ اپنی زندگی کو ملی مفادات پر قربان کر دیتا ہے اور ظلم کے خلاف سینہ تان کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ یورپی ملک آئرلینڈ کی آزادی اس کی بہترین مثال ہے کہ جہاں عیسائی مذہب کے باوجود اس دنیاوی زندگی پر تکیہ تھا اور ہر شخص "يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ" (ان میں سے ہر ایک خواہش کرتا ہے کہ کسی طرح وہ ہزار برس جئے) کا مصداق تھا مگر ملی و قومی تشخص کو بچانے کے لئے ہزاروں افراد نے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کیا۔ بہر حال یہ استثناء قاعدہ کلیہ کو مزید مستحکم کرتا ہے کہ

"Exception proves the rule."

ایمان' امن کا ضامن

یہ جاننے کے بعد کہ مندرجہ بالا تین عناصر امن کو سبوتاژ کرتے ہیں' اب ہمیں یہ دیکھنا چاہئے کہ ان تین عوامل کو تین ایمانیات (ایمانیات ثلاثہ) کس طرح مطمئن کرتے ہیں۔

(i) ایمان باللہ اور انا پرستی :

جب ایک شخص ایمان کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے اور جان لیتا ہے کہ اس ساری کائنات کا نظام اور تدبیر ایک ذاتِ واحد کے ہاتھ میں ہے' یہی وہ عظیم ہستی ہے جو کائنات کے علاوہ اسے بھی پیدا کرنے والی ہے' اور آج بھی اس کی ہر حرکت اللہ کے اذن کی محتاج

© rasailojaraid.
© rasailojaraid.

ہے تو وہ اس حقیقت کا ادراک حاصل کر لیتا ہے کہ اس کی "انا" تو درحقیقت "انائے صغیر" ہے، اصل کبریائی اور اصل بڑائی تو اس "القوی العزیز" کو حاصل ہے۔ جب یہ حقیقت دل و دماغ میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو انسان کو داخلی و خارجی امن میسر آ جاتا ہے۔ داخلی اعتبار سے اس کے دل کو اس طرح قرار ملتا ہے کہ اولاً تو وہ شخص اپنی سربلندی (جس میں ناکامی اسے بے چین کر دیتی تھی) کا خیال ترک کر دیتا ہے۔ اب اس کی زندگی کا مقصد اللہ اور اس کے دین کی سربلندی ہوتا ہے اور وہ یہ کام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ

﴿وَاللّٰهُ مُتِمُّ نُوْرِهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ﴾

"اور اللہ اپنے نور کو پورا پورا پھیلا کر رہے گا (یعنی اپنا دین غالب کر کے رہے گا) خواہ کافروں کو یہ کتنا ہی ناگوار گزرے"۔

اور اللہ کی سنت کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ

﴿وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا﴾

"اللہ کی سنت کبھی تبدیل نہیں ہوا کرتی۔"

ثانیاً اس پر جب بھی کوئی مصیبت، تکلیف یا بے بسی طاری ہوتی ہے، تب اضطراب اور بے چینی کے بجائے وہ جانتا ہے کہ یہ اللہ کے اذن سے ہے اور اسی میں اس کے لئے خیر پوشیدہ ہے۔ لہٰذا وہ دربدر بھٹکنے کی بجائے صرف اللہ کے آگے سجدہ ریز ہو کر اپنے مصائب کے دور ہونے کی دعا کرتا ہے۔ اسی کی ترجمانی علامہ اقبال کے اس شہرۂ آفاق شعر میں موجود ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات!

اس لئے کہ انسان جانتا ہے کہ "مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ"

معاشرتی سکون کے ضمن میں بھی یہ اس طرح نہایت اہم ہے کہ بندۂ مومن کے سامنے اب "میرے قبیلے" اور "تیرے قبیلے" کا امتیاز موجود نہیں ہوتا بلکہ اس کے سامنے اگر تفریق ہوتی ہے تو حق اور باطل، عدل اور ظلم کا ہوتا ہے۔ اس کا جینا مرنا اور اس کے جنگ و

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

جدال کا مقصد انصاف قائم کرنا ہوتا ہے نہ کہ کسی نسل یا قوم کی سربلندی۔ وہ اس حقیقت سے واقف ہے کہ اس کے پروردگار نے اسے دشمنوں سے بھی عدل کرنے کا حکم دیا ہے۔ قرآن میں آتا ہے کہ :

﴿وَلَا یَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ۭ اِعْدِلُوْا ۣ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾

"یعنی کسی قوم کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کر دے کہ تم اس سے عدل نہ کرو' عدل کرو کیونکہ یہی پرہیزگاری سے قریب تر ہے"۔ (المائدہ : ۸)

حق تو یہ ہے کہ ایمان باللہ ہی امن قائم کرنے کے لئے کافی ہے اور باقی سب "یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتہ ایماں کی تفسیریں" کے مصداق ہیں۔ قلبی سکون کے بارے میں سورۂ حٰم سجدہ کی آیات تو حرفِ آخر ہیں جس میں اللہ پر ایمان لانے والوں پر فرشتوں کے نزول کی بشارت دی گئی ہے جو ان کو خوف و حزن سے نجات کی خوشخبری سناتے ہیں :

﴿اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا﴾

"بے شک جنھوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور پھر اس پر استقامت اختیار کی' یقیناً ان پر فرشتے نازل ہوتے ہیں اور ان سے کہتے ہیں کہ نہ ڈرو' نہ غم کرو"۔

ایک دلچسپ حقیقت :

یہ بات تو مندرجہ بالا بحث سے واضح ہے کہ انانیت سے تباہ ہونے والا داخلی اور خارجی دونوں طرح کا امن ایمان باللہ سے میسر آجاتا ہے۔ حتیٰ کہ فطری طور پر محبوب دنیا کی فتح بھی ایسے ہی لوگوں کے لئے ہے' جس کا بیان آیۂ استخلاف (وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ .... الخ) میں آیا ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ صف میں بھی اس کا ذکر موجود ہے۔ یہ بات صرف امتِ مسلمہ کے لئے نہیں بلکہ ازل سے اللہ کا یہی فرمان ہے۔ سورۃ الانبیاء میں آتا ہے کہ :

﴿وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝ اِنَّ فِيْ هٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِيْنَ ۝﴾

"اور بے شک ہم نے زبور میں نصیحت کے بعد لکھ دیا کہ زمین کے وارث میرے

© rasailojaraid
© rasailojaraid

نیکوکار بندے ہوں گے۔ اس میں عبادت گزار قوموں کے لئے ایک پیغامِ (عمل) ہے"۔

تاہم یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ انسان انانیت ہی کے باعث عموماً ایمان قبول نہیں کرتا۔ جیساکہ سورہ بقرہ میں آتا ہے کہ :

﴿وَاِذَا قِیۡلَ لَہُ اتَّقِ اللّٰہَ اَخَذَتۡہُ الۡعِزَّۃُ بِالۡاِثۡمِ﴾

"اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر، تو اپنے وقار کا خیال اس کو گناہ پر جما دیتا ہے"۔

حالانکہ انانیت کی تسکین بھی ایمان باللہ ہی سے ہے۔ علامہ اقبال اسی لئے فرماتے ہیں کہ :

یقیں پیدا کر اے ناداں، یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

مسلمانوں نے جب ایمان کو اپنے دلوں میں راسخ کیا تب دنیا میں ان کا کیا مرتبہ تھا، یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اس کا خوبصورت نقشہ اکبر الہ آبادی نے اپنے اس بند میں کھینچا ہے کہ۔

تمہاری عزتیں تھیں، اوج تھا، رتبہ تھا، شانیں تھیں
تمہاری بات تھی، احکام تھے، کہنا تھا، آنیں تھیں
تمہارے ذکر میں سرگرم دنیا کی زبانیں تھیں
تمہیں تم تھے، زمانہ میں تمہاری داستانیں تھیں
غرور و ناز کم کرنا پڑا تھا ایک عالَم کو
سرِ تسلیم خم کرنا پڑا تھا ایک عالَم کو

ایمان بالآخرت اور موت :

یہ بات موت کے خوف کے مباحث سے واضح ہے کہ بعث بعد الموت پر یقین کرنے والے کا دل کس طرح مطمئن رہتا ہے، وہ جانتا ہے کہ دنیا تو ہے ہی دار الامتحان، موت کے بعد ہی اصل زندگی کا آغاز ہوگا اور اس زندگی کی تعمیر کا دارومدار اس زندگی پر ہے، اسے یہ حقیقت معلوم ہے کہ۔

© rasailojaraid.com
© rasailojaraid.com

موت اک زندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے بڑھیں گے دم لے کر

یہی وجہ ہے کہ بندۂ مومن موت سے فرار حاصل کرنے کی بجائے اس کی فکر میں لگا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس فکرِ عاقبت کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہ دنیا کی آلائشوں میں گم ہونے یا اس سے لو لگانے کی بجائے دنیا کے وقت کو نہایت احتیاط سے گزارتا ہے اور ع "لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام" پر عمل کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ

﴿کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ﴾

"تم میں سے ہر ایک نگہبان ہے اور ہر ایک سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال کیا جائے گا"۔ (حدیث نبویؐ)

اس کے باعث بندۂ مومن کے لئے یہ دنیا "اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ" کا مصداق ٹھہرتی ہے اور موت اضطراب کی بجائے راحت کا پیام محسوس ہوتی ہے۔

دل کو سکون، روح کو آرام آ گیا
موت آ گئی کہ دوست کا پیغام آ گیا

معاشرتی سکون کے ضمن میں بھی یہ بات نہایت واضح ہے کہ بندۂ مومن اپنے ایمان بالآخرت کے باعث ہر باطل، ہر ظلم کے خلاف اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر سینہ سپر ہو جاتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ اس معرکہ میں کامیاب رہا تو غازی اور ناکام رہا تب بھی مقتول فی سبیل اللہ (شہید) ہے، جس کے بارے میں اللہ کی طرف سے سرٹیفکیٹ موجود ہے کہ :

﴿وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ۝﴾

"اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں، انہیں مردہ مت کہو بلکہ وہ زندہ ہیں، لیکن تمہیں ان کا شعور نہیں ہے"۔

یہی وجہ ہے کہ مومن کا تو مقصود و مطلوب ہی شہادت فی سبیل اللہ ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی

[illegible] جگہ جگہ باطل اور ظلم کے آگے جھکنے پر سرزنش کی

© rasailojaraid.com

گئی ہے اور اسے معصیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔ طوالت کے خوف سے صرف چند مقامات یہاں نقل کئے جا رہے ہیں :

﴿وَلَا تُطِعْ مَنْ اَغْفَلْنَا قَلْبَهٗ عَنْ ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوٰىهُ وَكَانَ اَمْرُهٗ فُرُطًا ۝﴾

"اور اس کی اطاعت نہ کرو، جس کے دل کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا، جو اپنی نفسانی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور جس کا حکم زیادتی پر مبنی ہے"۔

(الکہف : ۲۸)

اسی طرح سورۂ شعراء میں آتا ہے کہ :

﴿لَا تُطِيْعُوْٓا اَمْرَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ وَلَا يُصْلِحُوْنَ ۝﴾

"اور ان حد سے گزر جانے والے لوگوں کی اطاعت نہ کرو، جو زمین میں فساد پھیلاتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے"۔

ایک اور جگہ آتا ہے :

﴿اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِى الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝﴾

"جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلانے کی کوشش کرتے ہیں، ان کی سزا یہ ہے کہ وہ قتل کئے جائیں یا صلیب پر چڑھائے جائیں یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کاٹ دیئے جائیں، یا وہ ملک سے نکال دیئے جائیں۔ یہ رسوائی تو ان کے لئے دنیا میں ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے بڑا عذاب ہے"۔ (المائدہ : ۳۳، ۳۴)

اس کے برعکس اگر حکمران عادل ہو تو حدیثِ نبوی ؐ کے مطابق :

"اِسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا وَلَوِ اسْتُعْمِلَ عَلَيْكُمْ عَبْدٌ حَبَشِيٌّ كَانَ رَاْسَهٗ زَبِيْبَةٌ"

"سنو اور اطاعت کرو، خواہ تمہارے اوپر ایک گنجا، حبشی غلام ہی حاکم بنا دیا

© rasailojaraid

جائے"۔

یہی وہ اصول زریں ہے جو معاشرے میں امن و امان کا ضامن بنتا ہے کہ عدل و انصاف کی حکمرانی کی اطاعت کرنی ہے اور ظلم و زیادتی کو اکھاڑ پھینکنے کی ہر ممکن سعی کرنی ہے۔

ایمان بالرسالت اور جبلی عجلت پسندی :

یہ بات کنایوں میں پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ اپنی جبلی کوششوں کے باعث ہر انسان کوئی آئیڈیل یا مثالی ہستی بنانا چاہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ آئیڈیل شخصیت وہی ہو سکتی ہے' جس کے اصول خود ساختہ نہ ہوں بلکہ اس ہستی کے بنائے ہوئے ہوں جو کائنات کا خالق و مالک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر بندۂ صالح' خواہ ابھی نورِ ہدایت براہ راست اس تک نہ بھی پہنچا ہو' تب بھی یہی کہتا ہے کہ اے مالکِ عالم میں تجھ ہی سے ہدایت کا طالب ہوں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی حضرت سعید رضی اللہ عنہ جو کہ عشرہ مبشرہ میں بھی شامل ہیں' ان کے والد زید کے متعلق آتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے منصبِ رسالت پر فائز ہونے سے بہت پہلے ہی ان کا عالم یہ تھا کہ کعبے کا غلاف پکڑ پکڑ کر روتے اور کہتے جاتے کہ "اے اللہ! میں صرف تجھے پوجنا چاہتا ہوں' مگر جانتا نہیں کہ کیسے پوجوں"۔ یہی وہ بات ہے جو بندۂ مومن ہر نماز میں "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ" کے الفاظ کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک فطری شے ہے کہ ہر انسان طالب ہے اس چیز کا کہ اللہ ہی کی جانب سے اوامر و نواہی بتائے جائیں اور ایک عملی نمونہ بھی دکھایا جائے تاکہ انسان اس عملی نمونے کو آئیڈیل بنا کر زندگی کو کامیاب بنا سکے۔ قلبی سکون کے معاملے میں تو صحیفۂ آسمانی خود سراپا اطمینان ہوتا ہے جس کو قرآن پاک میں کہا گیا :

﴿اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝﴾

"سن رکھو کہ اللہ کے ذکر سے اطمینانِ قلب حاصل ہوتا ہے"۔

اس کے باوجود اگر انسان کوئی غلطی کر ہی بیٹھے تو دین فطرت میں اس کے لئے توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔

معاشرے میں یہ ایمان دو طریقوں سے امن و آشتی کا ضامن بنتا ہے۔ اولاً حضور

© rasailojaraid
© rasailojaraid
© rasailojaraid

اور قرآن پاک کا اتباع طبیعت میں تقویٰ اور حلم و بردباری کے احساسات پیدا کرتا ﷺ ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ شترِ بے مہار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر کام کرنے سے پہلے وہ قرآن و سنت کی طرف رجوع کرتا ہے اور انہی کی رہنمائی میں کام کرتا ہے' جس کے باعث جبلی کمزوریوں کے باوجود فساد فی الارض کے کاموں کا ظہور نہیں ہوتا۔ ثانیاً جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ جب بھی ملک کا آئین یا دستور تشکیل دیا جاتا ہے تو انسان کی محدود سوچ کے باعث اس میں بہت سے ابہام اور نقائص رہ جاتے ہیں۔ یہ بھی جبلی عجلت و کمزوری کا مظہر ہے۔ ان نقائص کے باعث معاشرہ ایک مثالی فلاحی مملکت نہیں بن سکتا۔ اس کے برعکس آئین سازی اگر اس کے بتائے ہوئے طریقے پر کی جائے جو ربِ کائنات ہے' جس کا علم لامحدود ہے تو وہ آئین مملکت کو پھر سلطنتِ سلیمان ؑ کی طرح پُرامن یا پھر مملکتِ فاروقی ؓ کی طرح ایک مثالی ریاست (Paradise on Earth) بنا سکتا ہے۔

© rasailojaraid.

ایک اعتراض کا ازالہ

اب تک کے مباحث سے بلاشک و شبہ یہ بات ظاہر ہو چکی ہے کہ امن ایمان ہی کا جزوِ لاینفک ہے یا بالفاظ دیگر امن ایمان ہی کا ثمرہ ہے۔ تاہم آخر میں ایک اعتراض کا ازالہ ضروری ہے جو ہر دور میں کفار کی طرف سے اٹھایا گیا اور آج بھی پیش کیا جاتا ہے۔ وہ یہ کہ دنیا کے من جملہ مذاہب و صحیفے (معاذ اللہ) معاشرے میں عناد اور بغض کا باعث بنتے ہیں اور لوگوں کے دلوں میں کدورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ لہٰذا دنیا میں صرف انسانیت کو معیار ٹھہرایا جائے' کسی عقیدے یا نظریئے کو نہیں۔ غزوۂ بدر کے وقت ابو جہل نے حضور ﷺ پر جو سب سے بڑا الزام لگایا تھا وہ یہی تھا کہ انہوں نے خاندانوں میں تفریق ڈال دی ہے اور بھائی کو بھائی کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ بظاہر یہ منطق بڑی خوش نما محسوس ہوتی ہے کہ ایسا نظریہ اور ایسی فکر جو خاندانوں کو چیر دے اور میدان جنگ میں آمنے سامنے لا کھڑا کرے وہ چیز کبھی پرامن نہیں ہو سکتی۔

اس سلسلے میں یہ جان لینا چاہیئے کہ ہر انسان بشرطیکہ وہ منصبِ انسانیت پر فائز ہے اور اس سے نیچے اتر کر درجۂ حیوانیت پر نہیں آ گیا' تو وہ زندگی کے کچھ اصول و ضوابط رکھتا

© rasailojaraid.

ہے۔ وہ ان اصولوں کی صداقت پر دل سے مطمئن ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان اصولوں پر وہ کوئی سمجھوتہ کرنے کو تیار نہیں ہوتا۔ اگر کوئی شخص اس کو ان اصولوں کے خلاف زندگی گزارنے پر مجبور کرے تو وہ ڈٹ جاتا ہے اور اپنے قواعد کے لئے جان پر کھیل جاتا ہے۔ اس سے اعلیٰ درجہ پر جب کوئی معاشرتی انقلابی نظریہ کسی ایک شخص یا ایک گروہ کے پاس ہو اور وہ سمجھتے ہوں کہ انسانیت کی بھلائی اس میں ہے تو وہ اس نظریئے کے لئے ہر اس گروہ یا طبقے سے لڑائی تک مول لیتے ہیں جو اس فکر کو پنپنے میں مزاحم ثابت ہو رہا ہو۔ لہٰذا دیکھنا یہ ہے کہ اصول برحق ہے یا نہیں؟ ورنہ اگر ہر قسم کی لڑائی اور قتل کو فساد فی الارض سمجھا جائے تو یہ ایسا ہی ہے کہ وہ سرجری جس میں جسم کے کسی ناسور کو کاٹ پھینکا جائے' اس کو بھی جسم انسانی کے لئے مفید کی بجائے مضر سمجھا جائے۔ چنانچہ طے یہ ہونا چاہیئے کہ قانون درست ہے یا نہیں۔ اگر قانون درست ہے تو شیطان نما انسان جو اس قانون کی دھجیاں بکھیرنا چاہیں اصحاب الحرب ہیں جو بالکل حکم کے اس مہلک پھوڑے کی طرح جسے کاٹ پھینکنا انسان کے لئے فائدہ مند ہے' اگرچہ سمجھنے والا اس کو بھی امن کے خلاف سمجھتا رہے مگر حقیقت یہ ہے کہ اسی میں قوموں کی حیات پوشیدہ ہے۔

جہاں تک اسلام کی حقانیت کا تعلق ہے' اس کو ثابت کرنے کے لئے کسی لمبی چوڑی دلیل کی ضرورت نہیں' بلکہ اللہ تعالیٰ کا زندہ جاوید معجزہ قرآن حکیم کی صورت میں آج بھی موجود ہے اور اس کی صداقت پر اگر کسی کو شک ہے تو اس کا چیلنج آج بھی موجود ہے کہ :

﴿وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝﴾

"اور اگر تمہیں اس امر میں شک ہے کہ یہ کتاب جو ہم نے اپنے بندے پر اتاری ہے (یہ ہماری ہے یا نہیں) تو اس کے مانند ایک سورت ہی بنا لاؤ' اپنے سارے ہمنواؤں کو بلا لو' ایک اللہ کو چھوڑ کر' باقی جس کی چاہو مدد لے لو' اگر تم سچے ہو تو یہ کام کر دکھاؤ۔" (البقرہ : ۲۳)

چنانچہ دینِ حق اور نظامِ فطرت کے سامنے اگر کوئی کج روی اختیار کرے تو اس کو دفع

© rasailojaraid.

کرنا قتل بالحق ہے اور یہ فساد نہیں بلکہ عین تقاضائے امن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اس فعل کو اپنی طرف منسوب کیا ہے کہ :

﴿وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝﴾

"اور اگر اللہ تعالیٰ لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو زمین فساد سے بھر جاتی، مگر دنیا والوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے (کہ وہ اس طرح فساد کے رفع کرنے کا انتظام کرتا رہتا ہے"۔ (البقرہ : ۲۵۱)

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے دلوں میں بھی ایمان کو صحیح معنوں میں راسخ کرے اور اس کی برکات سے نہ صرف وطنِ عزیز بلکہ دنیا کے ہر خطے میں امن و امان پیدا فرمائے۔

بقول علامہ اقبال ؒ

یقیں افراد کا سرمایۂ تعمیرِ ملّت ہے
یہی قوت ہے جو صورت گرِ تقدیرِ ملّت ہے

* * *

prohibition is not *zulm*. But this is not the precise position. The Qur'an itself uses this as a rationale of prohibition of *riba*. (2:275-79). It says that the lender should accept the principal sum and that neither they should cause *zulm* on the borrowers nor should they be subjected to any *zulm* by non-payment or short payment by the borrowers. I think there is a consensus among the *ummah* on this question. In fact this remains the principal consideration behind the prohibition of *riba*.

This is from me and Allah knows the best.

Muhammad Akram Khan
B-4 Audit Officers Residences,
Gulberg-III,
Lahore

© rasailojaraid.com